فائزہ افتخار

سیاں ٹھگ لیں گے

"مُرداروا ٹھ جاؤ اب دن سر پہ چڑھ آیا ہے۔"

اگرچہ مجھے مخاطب نہیں کیا گیا تھا مگر انداز اس قدر کراری اور چبھتی ہوئی تھی کہ میں جو منہ تک رضائی تانے گہری نیند ــــ سو رہا تھا۔ ہڑبڑا کے جاگ گیا۔ کتنی مہربان شے ہے یہ نیند بھی۔ مجھے تو کسی نعمت سے کم نہیں لگتی۔ کم از کم کچھ گھنٹوں کے لیے غافل تو کر دیتی ہے۔ ہر چیز سے بے نیاز، ہر چیز سے بے فکر۔

روزانہ مجھے تقریباً" اسی وقت اپنی نیند کو قربان کرنا پڑتا تھا آفس ٹائم پہ پہنچنے کے لیے مگر چھٹی والے دن نو دس بجے تک سونے کی عیاشی کر ہی لیتا۔ میری نصف بہتر کو اتوار بازار لوٹنے کا مراق تھا، اس لیے وہ ہفتے کے چھ دن انگلیوں پہ گن گن کے گزارتی تھی اور اتوار کی صبح ہفتے بھر کی بچت پرس میں ڈال کے اپنے تئیں اتوار بازار لوٹنے جاتی تھی۔ یہ الگ بات کہ خود لٹ کے آتی تھی۔

"نکھٹو! جاگتے ہو یا ٹھنڈا پانی گراؤں؟"

یہ براہ راست مجھ پر حملہ تھا۔ میری غیرت جاگ گئی۔ رضائی کو میں نے ایک جھٹکے سے پرے پھینکا اور اسے گھور کر دیکھا۔

"کیا ہے؟" اب اس کی پھنکار کا رخ میری طرف تھا۔ میں منمنایا اور رضائی دوبارہ اوڑھ لی۔ "کچھ نہیں۔"

"او ہو یہ چلی کیوں نہیں جاتی اپنے اتوار بازار۔" میں نے کوفت سے بڑبڑاتے ہوئے گھڑی دیکھی۔

مکمل ناول

"چلو نکلو بستروں سے۔" وہ ایک ایک کرکے چاروں کو کھینچنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ حبا کا تو باجا بھی بج رہا تھا۔ وہ ماں کی طرح اپنے حلق کی تمام تر صلاحیتوں کا دل کھول کے استعمال کرتی تھی۔

"منہ بند کر چھنکی۔۔۔ حلق میں بانس اترا ہوا ہے تیرے تو۔"

یقیناً" اس کے پھولے پھولے گالوں پہ کرارا سا تھپڑ رکھا تھا۔ اس کا باجا ایک سیکنڈ کے لیے بند ہوا تھا۔ شاید نہار منہ اسے اس تواضع کی امید نہیں تھی' اس کے بعد ایک پورا آرکسٹرا بج اٹھا۔

"داوو۔۔۔!" مجھ سے قطعاً" مایوس میری اولاد ہمدردی پانے کے لیے دادی کے کمرے کا رخ کرتی تھی۔

"توبہ۔۔۔ فسادی اولاد باپ کی طرح منٹ منٹ کی رپورٹ دینے بھاگتے ہیں دادی کے پاس اور تو کھڑا کیا اپنے پیلے دانت نکال رہا ہے لعنتی انسان۔"

یہ لقب یا خطاب اس نے ہمارے سب سے بڑے سپوت کو دے رکھا تھا جو مجھے زیادہ شرانگیز اس لیے محسوس ہوتا تھا کہ نہ صرف مجھے لگتا تھا بلکہ سب ہی کا کہنا تھا کہ فہد۔۔۔ صورتاً "سیرتاً" ہو بہو مجھ پہ یعنی اپنے باپ پہ گیا ہے۔

"اوئے خانہ خراب کی اولاد۔"

یہ خطاب دوسرے نمبر کے بیٹے کا تھا۔ میں نے بے بسی سے آنکھیں میچ لیں۔

"ادھر کدھر گھس رہا ہے' چل باتھ روم میں۔۔۔ آمیں خود تیرا منہ مانجھتی ہوں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔۔۔ آٹھ سال کے بچے کا پھول سا چہرہ نہ ہوا' چائے بنانے والی کالی ٹیڑھی میڑھی کیتلی ہو گئی جو مانجھی جائے گی۔"

"اور تو لعنتی' میرے سامنے کھڑا ہو کے پورے بارہ منٹ تک اپنے دانتوں پہ برش رگڑ۔"

"نی جوواں ماری۔۔۔" تیسرے نمبر کی چھ سالہ بچی کی پونی ٹیل کھینچی گئی تھی۔

"نکال ہاتھ سر سے۔ جب دیکھو انگلیوں کا و[illegible] بالوں میں چلا رہی ہے۔ نری بے عزتی ہر جگہ ذ[illegible] کراتی ہے۔ ٹنڈ کروانی پڑے گی۔"

"ماما۔۔۔!" صبا احتجاجاً" چلائی۔

"چپ کر میں نے تیری بھی ٹنڈ نہ کروائی تو دیکھنا۔" اس کی بے مہار اور بے تکی باتیں مجھے سخت گراں گزر رہی تھیں۔

اللہ اللہ کر کے وہ فہد کے دانت اور خرم کا منہ "مانجھ" کے فارغ ہوئی۔

"خالی پیٹ ان کا یہ حال ہے' کھا مر کے تو نجانے دھمالیں ڈالتے پھریں گے' آفت کی اولادیں۔" کچن سے اس کی آواز آئی۔

پتہ نہیں اسے بچوں کو جو کہنا ہے ڈائریکٹ کیوں نہیں کہتی۔ آخر میرے کندھے پہ ہی بندوق کیوں رکھتی ہے۔ مانا کہ یہ میری اولاد ہے مگر انہیں ڈانٹنے کے دوران ہر بار مجھے رگڑا جائے یہ ضروری تو نہیں۔" میرے دل نے احتجاج کیا مگر میں نے دلاسا دیا۔

"یہ صرف میری اولاد تو نہیں' اس کی بھی ہے اسے خود کو لگ رہی ہوں گی ساری باتیں۔" کسی دل جلی نند کی طرح میں نے کوستے ہوئے سوچا۔

"پراٹھے بنا دیے ہیں' رات کا سالن بھی گرم کر دیا ہے۔ ناشتہ ٹھونس لینا میں بازار جا رہی ہوں۔ اور ہاں وہ تمہارا باپ اس کا بھی ناشتہ ساتھ بنا دیا ہے۔ وہ بھی نہ ٹھونس جانا اسے ہوش آجائے تو گرم کر کے دینا۔"

میں بری طرح [illegible] کے رہ گیا۔

"ہوش آجائے۔۔۔ میں کیا [illegible] ہو کر سو رہا ہوں جو مجھے ہوش آجائے گا اللہ بچائے اس عورت کی زبان سے۔"

چند منٹ تک میں مزے سے لیٹا اس خاموشی کو انجوائے کرتا رہا جو میرے گھر کو کم ہی نصیب ہوتی تھی۔ اگرچہ یہ کوئی مکمل سکوت کی کیفیت نہیں تھی۔۔۔ کبھی حبا کے چلانے کی آواز آتی کبھی فہد اور خرم کے آپس میں الجھنے کی اور کبھی صبا کے کھکھلانے

کی۔

پھر میں اٹھا۔۔۔ ایک بھرپور انگڑائی لی۔۔۔ گردن گھما گھما کے چاروں طرف دیکھتے ہوئے اس کے نہ ہونے کے احساس سے اپنا دل شاد کیا۔ ایک زبردست سی دودھ پتی الائچی مار کے تیار کی اور مگ بھر کے بیٹھ گیا۔ چھٹی والے دن کی اپنی واحد عیاشی کے مزے لوٹنے لگا یعنی ماضی کی بھول بھلیوں میں گم ہو گیا۔

کسی نے کیا خوب۔۔۔ نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ کسی نے کیا فضول کہا ہے۔

یاد ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

پتہ نہیں مذکورہ شاعر نے اپنے ماضی میں کون سی "انی ڈالی" ہو گی جو بے چارہ ماضی میں ایک جھلک ڈالنے سے گھبراتا تھا۔ میرا ماضی بے حد شاندار' رنگین و سنگین نہ سہی مگر ایسا بے رنگ اور پھیکا بھی نہیں تھا کہ میں اسے یاد کرنے سے بدکتا۔ کم از کم میرے حال سے تو حد درجہ بہتر تھا۔ آئیے۔۔۔ چند جھلکیاں آپ کو بھی دکھاؤں۔

* * *

ہائے ہائے۔۔۔ کیا عیش تھے ان دنوں۔

اکلوتا ہونا بھی ایک عیاشی ہے اور وہ بھی کھاتے پیتے والدین کی اکلوتی اولاد اور مجھے تو یہ "سہولت" بھی حاصل تھی کہ میں اپنے کھاتے پیتے والدین کی اکلوتی ہی نہیں بڑھاپے کی اکلوتی اولاد تھا۔ جی ہاں میں اپنے والدین کی شادی کے پندرہ سال بعد بہت منتوں مرادوں سے پیدا ہوا تھا۔

آہا۔۔۔ وہ پھوپھیوں کے نرم گداز موٹے موٹے ہاتھوں سے کڑھے ململ کے کرتے۔

وہ چچاؤں کی گود میں چڑھ کے یا کاندھوں پہ سوار ہو کے سیریں کرنا جب کہ ان کی اکثر اولادیں مجھ سے کئی کئی سال بڑی تھیں۔

وہ دادی کے اونچے سے پلنگ پہ چڑھ کے بیٹھنا۔۔۔

آخر میں ان کے ولی عہد کی بڑی اور اکلوتی اولاد تھا۔ امی کے سامنے ضد کر کے اپنی ہر فرمائش منوا لیتا۔ اور ابو کو اپنی محبت کے سامنے مجبور کرتے ہوئے مزے لوٹتا۔ کیا شاندار بچپن گزارا تھا میں نے 'نارووال' میں عمر کے تیرہ سال گزارنے کے بعد اچانک میری امی کو خیال آیا کہ میری اعلا تعلیم کے لیے انہیں شہر شفٹ ہو جانا چاہیے۔ ہو سکتا ہے یہ خیال انہیں بہت پہلے آیا ہو مگر تب حالات سازگار نہ تھے۔ یعنی دادا دادی دونوں حیات تھے۔ ان کے یکے بعد دیگرے دنیا سے جانے کے بعد امی نے بھی کوچ کرنے کا سوچا (نارووال سے) اور ابو سے بھی ایک ہی رٹ لگا دی کہ۔

انشاء جی اٹھو اب کوچ کرو۔

اس رٹ سے وہ اتنا زچ ہوئے کہ چند ماہ بعد ہی نارووال سے لاہور جانے والی کوچ پکڑی اور بیوی بچے کو لے کر یہاں آگئے۔ حالانکہ یہ اتنا آسان کام نہیں تھا۔

دادا جی کے بعد وہ گھر کے بڑے تھے۔ ساری زمینیں اور آمدنی وغیرہ کا حساب کتاب بھی ان کے پاس تھا۔ اس ایک چیز کے علاوہ جو خاندانی وراثت کی وجہ سے ان کے پاس موجود تھی' وہ نہ کچھ اور جانتے تھے نہ کرنے کے قابل تھے۔ نہ تعلیم خاص تھی نہ کوئی ہنر پاس تھا نہ کاروبار کرنے کا تجربہ تھا۔ تجربہ تو دور کی بات۔۔۔ خاندانی تاریخ میں دور دور تک کہیں ملازمت یا کاروبار کی مثال نہیں ملتی تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے یہ قدم اٹھا لیا بھائیوں' بہنوں اور چند بچے کھچے بزرگوں کی تمام تر مخالفت کے باوجود وہ وہاں سے نکل آئے۔

اپنے حصے کی زمینیں تو جوں کی توں رہنے دیں کہ ان کی دیکھ بھال کرنے کے لیے میرے دو دو چچا موجود تھے' البتہ چند باغات ضرور بیچے۔ کاروبار شروع کرنے کی ہمت نہ ہوئی کہ باپ دادا نے کبھی ایسا نہ کیا تھا' چند دکانیں اور دو مکان خرید کے کرائے پہ چڑھا دیے۔ اس میں ٹھیک ٹھاک گزارا ہونے لگا۔ میں اکیلا ہی تھا۔۔۔ اور پھر زمینوں سے بھی خاصی آمدنی آجاتی تھی اس

لیے کرائے کی رقم میں بھی میں شہزادوں کی طرح پلنے لگا۔

شہر کا سب سے بڑھیا اور اعلا انگلش میڈیم اسکول۔

گھر پہ پڑھانے کے لیے آنے والی کانونٹ کی ٹیوٹر۔ سجا سجایا گھر' سہولت اور آسائش سے مزین کمرہ۔ اور پھر شہر کے سب سے اچھے کالج میں داخلہ۔

یہ وہ تعیشات تھے جن کے بارے میں میرے نارووال والے کزن صرف سوچ ہی سکتے تھے۔ اتنی بڑی بڑی حویلیوں میں رہنے کے باوجود کسی کو ایسا سجا سجایا مخصوص کمرہ میسر نہ تھا۔ چھ چھ بہن بھائیوں کے ساتھ بس پل رہے تھے سب۔ کسی نے میٹرک کرلیا تو کسی نے بڑا تیر مار کر ایف اے۔ پیسے کی فراوانی تھی مگر پینڈو پن کی گہری چھاپ بھی تھی۔ جس سے اب میرے ماں باپ خاصی حد تک نجات حاصل کر چکے تھے۔ اس میں بھی زیادہ عمل دخل میری کوششوں کا ہی تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے میں ان دنوں سترہ سال کا تھا اور نیا نیا کالج پہنچا تھا۔ جب امی نے میرے سر پہ ایک دھماکہ کیا۔

"تمہارے چچا کی بیٹی رضیہ بچپن سے تمہارے ساتھ منسوب ہے۔"

"کیا" میں حیرت اور صدمے کی ملی جلی کیفیت کے زیر اثر چلا اٹھا۔

"اوہو بھئی منسوب ۔۔۔ یعنی تمہاری نسبت طے ہے اس سے۔" امی نے تشریح کی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" میں رونکھا ہو گیا۔

"نسبت ۔۔۔ یعنی منگنی ۔۔۔ باقاعدہ تو نہیں مگر بات طے ہے۔" مزید سلیس اردو میں کہا۔

"اتنی اردو آتی ہے مجھے ۔۔۔ میں آپ سے لغت دیکھ دیکھ کر معنی بتانے کے لیے نہیں کہہ رہا' یہ پوچھ رہا ہوں کہ یہ ۔۔۔ یہ آخر۔" بے بسی سے کوئی بات نہ کی گئی۔

اتنے میں ابو اندر آگئے۔

"کیا ہوا ہے؟ ۔۔۔ یہ کون سا سبق سنا رہا ہے اٹک اٹک کے۔"

"خوشی کے مارے بے چارے کے منہ سے بات نہیں نکل رہی۔" امی کو اپنی مرضی کے مطلب پہنانے کے فن میں ملکہ حاصل تھا۔

"یہ اس دفعہ بھی دسویں میں پاس ہو گیا؟" ابو نے میری خوشی کی وجہ دریافت کرتے ہوئے اندازہ لگایا۔

"میرے پیارے ابو جان ۔۔۔ بندہ دسویں میں ایک ہی بار پاس ہو جائے کافی ہوتا ہے۔ پھر اسے بار بار کم از کم دسویں میں پاس ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

"آپ سمجھے نہیں میں نے اسے رضیہ کے بارے میں بتا دیا ہے۔"

"کیا؟ ۔۔۔ کہ وہ بے چاری پچھلے تین سالوں سے آٹھویں میں اٹکی ہوئی ہے؟ ۔۔۔ یا پھر یہ کہ اس کی ماں اس کے اکھڑ۔ پن سے تخت تنگ آگئی ہے؟ یا پھر یہ کہ اس نے اس عید پہ اپنی دونوں پھوپھیوں سے زبردست معرکہ کیا ہے اور اس فن میں اپنی ماں کو بھی میلوں دور پیچھے چھوڑ دیا ہے یا پھر یہ کہ۔"

"بس' بس ابو جان اتنی اطلاعات ہی بہت ہیں۔" میں نے دل پہ ہاتھ رکھا۔

"حد کرتے ہو آپ۔ میں نے تو اسے صرف یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اب تو سیانا ہو گیا ہے۔ رشتوں کی نوعیت کو سمجھ لے۔ رضیہ تیری منگیتر ہے اور وہ بھی اب بڑی ہو گئی ہے اس لیے اب چاچا کے ہاں جائے تو بچپن کی طرح چھیڑ چھاڑ نہ کرے۔ بچپن کی بات اور تھی اب یہ بات بے حیائی سمجھی جائے گی۔"

"ماشاء اللہ ۔۔۔ ماشاء اللہ۔" ابو جان توصیفی انداز میں سر دھننے لگے۔

"سیانے پن کا ثبوت تو خود دیا ہے تم نے بھلے لوکے۔"

"اوہو کتنی بار کہا ہے مجھے بھلے لوکے نہ کہا کریں۔" امی چڑ گئیں۔

"دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ آپ کے اندر سے چک 36 کی بو باس نہیں نکل رہی۔"

"اچھا بیگم صاحب ۔۔۔ بلکہ وہ کہتے ہیں ہاں ڈارلنگ صاحب۔"

اس طرز تخاطب پہ جہاں امی بری طرح شرما گئیں وہیں میری بھی اس سنگین صورت حال کے باوجود ہنسی نکل گئی۔ ڈارلنگ کے ساتھ صاحب کا اضافہ نئی چیز تھا۔

"تو ڈارلنگ صاحب۔ اجھس کے پاس کھڑے بچے کے ہاتھ میں جلتی دیا سلائی تھما کے امید رکھتی ہو کہ آگ نہ لگے۔"

"ہائے ہائے ۔۔۔ کس بچے کے ہاتھ میں دے آئی میں دیا سلائی۔" امی کے ہوش گم ہو گئے۔ فوراً اٹھ کر برآمدے کی جانب لپکیں۔

"بھس کا ڈھیر تو کوئی نہیں' روئی دھنک کے آئی رکھی ہے لحافوں میں بھرنے کے واسطے ۔۔۔ کہیں اسے ہی آگ نہ لگ جائے۔"

وہ تیز تیز کہتی اور تیز تیز چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔

"بھئی یہ دنیا کے کہاں سے کہاں پہنچ جانے کی خبر دے رہی تھی مجھے۔" ابو نے مذاق اڑانے کے انداز میں کہا۔ "اور اب خود کہاں کی کہاں پہنچ گئی ہے' بے وقوف۔"

"میری امی بے وقوف نہیں' سادہ ہیں۔" ماں کی حمایت کرنے سے میں کبھی نہیں چوکتا تھا۔

"اچھی بات ہے' ویسے وہ رضیہ بھی اتنی ہی سادہ ہے۔" انہوں نے لفظ سادہ پہ زور دیتے ہوئے کہا۔

میں چپ ہو گیا۔

"ابو جی ۔۔۔ یہ رضیہ ۔۔۔ میرا مطلب ہے کیا امی ٹھیک کہہ رہی ہیں؟"

"ہاں ۔۔۔ کبھی کبھی ٹھیک بھی کہہ جاتی ہے۔" وہ ہنوز غیر سنجیدہ تھے۔

"یہ چکر کیا ہے ابو جی؟"

"اسی چکر پہ ساری دنیا چل رہی ہے بیٹا جی ۔۔۔ پہلے منگنی' پھر شادی پھر خانہ آبادی۔"

میں بے بسی سے سرد آہ بھر کے رہ گیا۔ آج مجھے امی کا وہ گلہ سو فیصد سچ معلوم ہو رہا تھا جو وہ اکثر و بیشتر دہراتی رہتی تھیں۔

"پتا نہیں کس نے مشورہ دیا تھا' دکانیں اور مکان کرائے پہ چڑھا کر چوبیس گھنٹے گھر پہ فارغ بیٹھ کر کھانے والے شوہر کو چوبیس گھنٹے کے لیے جھیلنا کتنا مشکل کام ہے یہ کوئی مجھ سے پوچھے اور شوہر بھی وہ جس کو بے کار رہ رہ کے بے کار باتیں کرنے کی لت پڑ چکی ہو۔"

یہ گلہ کسی حد تک صحیح پہلے بھی تھا کہ ابو بات کو بلاوجہ طول دینے کے عادی تھے۔

"تمہاری اور رضیہ کے رشتے کی بات سب سے پہلے امی جی بہشتن نے چھیڑی تھی۔ ہم سب ماں کی رضا میں راضی تھے ۔۔۔ بھئی جنت بھی تو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے۔ ماں کو خوش کرنا سب سے بڑی نیکی ہے بچے۔" پھر چونکے' کچھ یاد آنے پہ اضافہ

کرنے لگے۔

"باپ کے حقوق بھی کم نہیں۔ کہیں تم اسے بالکل ہی فالتو بندہ سمجھنے لگ جاؤ۔ باپ کے لیے بھی اللہ نے بڑے حکم دیے ہیں۔ جوان سے کوتاہی کرے اس کے لیے آخرت میں تو عذاب ہی ہے مگر دنیا میں بھی بڑی خواری ہے میں جب تمہاری عمر کا تھا تو ہمارے گاؤں میں برادری کا ہی ایک جوان تھا۔۔۔ کیا نام تھا اس کا۔" وہ دماغ پہ زور ڈالنے لگے جبکہ میرا دماغ ویسے ہی چیخ رہا تھا۔

"ابو جی!" میں نے انہیں حال میں کھینچنے کی کوشش کی۔

"ہاں۔۔۔ منظور حسین نام تھا اس کا بڑا اُکھڑا تھا۔ باپ کو تو کچھ سمجھتا ہی نہیں تھا۔ ایک دفعہ جی۔۔۔ کیا ہوا کہ۔"

"ابو جی آپ دادی جان کی آخری فرمائش کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے۔"

اس سے پہلے کہ وہ منظور حسین کا کوئی سبق آموز یا عبرت انگیز واقعہ سناتے سناتے بھٹک کے کہیں اور چلے جاتے میں نے یاد دلایا۔

"ہاں۔۔۔ امی جی کی آخری فرمائش۔۔۔" ان کے ٹریک پہ آنے سے میں نے اطمینان کی سانس لی۔

"آخری دنوں میں ان کو آم کھانے کو بڑا جی چاہتا تھا اور دن تھے جاڑے کے۔ کبھی چونسہ مانگتیں تو کبھی انور راٹھور اور ہم سارے پریشان کہ اپنی پیاری ماں کی یہ خواہش کیسے پوری کریں۔ تم کیا جانو ماں کے کتنے حقوق ہوتے ہیں۔ ہمارے گاؤں میں ایک بندہ تھا منظور حسین۔"

"ابا جی!" میں نے جلدی سے ان کی بات کاٹنے کی گستاخی کی۔

"میری ٹیوشن کا وقت ہو گیا ہے۔ میں جا رہا ہوں نہیں تو سر ڈانٹیں گے۔"

"ہاں ہاں جاؤ استاد کو ناراض نہیں کرنا چاہیے۔ استاد کے بھی بڑے حقوق ہوتے ہیں۔"

مجھے پیچھے تک ان کی آواز آتی رہی اور میرے قدم تیز سے تیز تر ہوتے گئے۔

☼ ☼ ☼

"امی جی نے جب تمہاری اور رضیہ کی بات چھیڑی تب سرسری طور پہ دونوں بھائیوں نے ہاں کر کے منظوری دے دی تھی لیکن جب ہم لاہور آنے لگے تب تمہارا چاچا اڑ گیا کہ اس کی رضیہ سے نکاح پڑھوا کر پھر لاہور جاؤ۔" امی نے بعد میں ڈھنگ سے بتایا۔

"خیر نکاح۔۔۔ تو نہ میں مانی نہ تمہارے ابو' خالی منگنی ہی ہوئی تھی۔ ایک انگوٹھی ڈالی تھی ہم نے رضیہ کو تمہارے نام کی اور تمہارے چاچے نے تمہیں پہنائی تھی۔"

اب مجھے یاد آیا کہ جانے سے پہلے انہوں نے میری انگلی میں سونے کی انگوٹھی ڈال کے میرا ماتھا چوما تھا اور کہا تھا۔

"آج سے آفتاب میرا بیٹا۔"

"اب تو رضیہ باقاعدہ تمہاری ہوئی۔"

"خواہ مخواہ میں؟" میں بھڑک اٹھا۔

"زبان دی ہے تمہارے باپ نے۔"

"کوئی نہیں دی۔ ان کے پاس ہی ہے۔ جا کے ذرا بیٹھیں ان کے پاس پندرہ منٹ میں آپ کو پتہ چل جائے گا کہ ان کے پاس اپنی ہی نہیں' دو چار ایکسٹرا زبانیں بھی ہیں۔ ایک تھکتی ہے تو دوسری شروع ہو جاتی ہے۔"

"بکواس مت کرو باپ ہے تمہارا شرم نہیں آتی یوں مذاق کرتے ہوئے۔"

"مذاق تو آپ کر رہی ہیں میرے ساتھ۔ بھلا میں اور رضیہ؟"

"رضیہ میں کیا برائی ہے؟"

"تین چار تو کل ابو جی نے خود گنوادی تھیں۔ آٹھویں فیل۔۔۔ اور وہ بھی کئی بار کی۔۔۔ بدزبان' بدمزاج اور لڑاکا۔۔۔ جسے بزرگوں کا بھی لحاظ نہیں۔ آپ نہ روکتیں تو ابھی میرے پیارے ابو جان اور بھی

انکشافات کرنے والے تھے۔"

"بڑی عزت کرتی ہے وہ میری۔ جب جاؤں سر آنکھوں پہ بٹھاتی ہے۔ ہاں پچھلی عید پہ پھپھیوں کے ساتھ تھوڑی منہ ماری ہوئی تھی اس کی۔ مگر تمہیں سچائی کا پتہ نہیں۔ تمہاری پھپھیوں نے اپنے وقتوں میں بھابھیوں کی ناک میں دم نہیں کر رکھا تھا۔ رضیہ کی ماں کی تو آئے دن شامت آئی رہتی تھی۔ بس ماں پہ ہونے والے ظلموں کی وجہ سے اس کے دل میں ذرا سا زہر بھرا ہے۔ کیا پتہ کس بات پہ ماں ہی کی خاطر بھڑک گئی ہو۔ ویسے بڑے ادب لحاظ والی ہے۔ تکیے بڑے اچھے کاڑھتی ہے۔"

"کیا کوالٹی ہوئی؟" میں ذرا متاثر نہ ہوا۔

"پچھلی بار گڑ والے چاول بڑے مزے کے بنائے تھے۔"

"مجھے چاول پسند ہیں نہ گڑ۔"

"مگر رضیہ ضرور پسند آئے گی۔ ایسی گوری چٹی' اونچی لمبی گز گز لمبے بال۔۔۔ اتنی اتنی بڑی آنکھیں۔" انہوں نے ہاتھ سے کوئی سنگترے کے سائز جتنا اشارہ کر کے بتایا میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔

"امی۔۔۔ جانے دیں۔ اتنا بڑا تو چہرہ نہیں ہوتا آج کل کی لڑکیوں کا آپ آنکھیں بتا رہی ہیں۔"

"وہ کوئی تمہارے کالج کی لڑکی نہیں ہے جس کا مٹر کے دانے برابر سوکھا سڑا ذرا سا منہ ہو گا اور اوپر نقطے کی طرح ڈھیلے' پوری ہیر سیال ہے۔"

"یہ کون سا پھل ہے؟"

"پھل؟۔۔۔ کیا پڑھاتے ہیں تمہارے کالج میں؟ ہیر رانجھا کی ہیر کا بھی نہیں پتہ۔"

"کالج میں عشقیہ داستانیں نہیں پڑھائی جاتیں اور آپ صرف ہیر کہہ دیتیں تو میں سمجھ جاتا۔ آپ تو مع ولدیت ایسے نام لے رہی ہیں جیسے۔۔۔۔" میں نے سر جھٹکا۔

میں بڑبڑاتا ہوا کمرے میں آ گیا اور بستر پہ لیٹ کر اس کی شکل یاد کرنے لگا۔ دو تین بے تُرے سے چہرے آپس میں گڈمڈ ہونے لگے۔ پتہ نہیں ان میں سے بڑی پھوپھو کی نصرت' رشیدہ کون سی ہیں' چھوٹی پھوپھو کی نسرین' خالدہ کون سی اور کون رضیہ۔ مجھے تو سب کی شکل ہمیشہ ایک سی لگتی۔ وہ کھینچ تان کے کس کر بنائی چٹیا۔۔۔ بھر بھر سلائیاں ڈالا سرمہ۔۔۔ ہاتھ پیر' مہندی اور چوڑیوں سے بھرے اور بدتمیزوں والی ہنسی تھی۔ جب بھی انہیں دیکھا' چھچھوریوں کی طرح دوپٹوں کے گولے منہ میں ٹھونس کر ہنسی دباتے ایک دوسرے پہ گرتے ہی دیکھا۔ ہمارا آنا جانا لگا ہی رہتا تھا وہاں کم از کم ایک عید تو سب بہن بھائی مل کے مناتے تھے مگر میری اپنی کسی کزن سے بے تکلفی نہیں تھی۔ اس میں جہاں کچھ عمل دخل اس حویلی کے ماحول کا تھا کہ وہ ایسی بے تکلفانہ دوستیوں کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا' وہیں کچھ ہاتھ میرے اپنے مزاج کا بھی تھا۔ میں نے خود کو اپنے دیگر کزنز سے الگ سمجھتے ہوئے ہمیشہ الگ تھلگ رہنے کی ہی کوشش کی اور کچھ یوں تھا کہ بہن بھائیوں میں سب سے بڑا ہونے کے باوجود ابو جان اولاد کے معاملے میں سب سے چھوٹے تھے یعنی ان کے چھوٹے بھائیوں کے اکثر بیٹے شادی شدہ اور بال بچے والے تھے جبکہ میں ابھی ٹین ایج میں تھا۔ عمر کا فرق بھی دوستی اور بے تکلفی کے آڑے آتا تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ چاچاؤں اور پھوپھیوں کے بیٹے تقریباً سارے کے سارے مجھ سے آٹھ آٹھ دس دس سال بڑے تھے جبکہ بیٹیاں یا تو مجھ سے چھوٹی یا پھر میری ہم عمر۔ مگر مجھے اس بے کشش ڈھیر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ سخت بیزاری ہوتی تھی مجھے وہاں جا کے ان شرماتی لجاتی بے تکی حرکتیں کرتی اونگی بونگی رضیہ' نسرین' نصرت وغیرہ کو دیکھ کے اور یہ اطلاع ہی میرے لیے پھانسی کے حکم کے برابر تھی کہ ان میں سے ایک کے ساتھ میرا مقدر چار پانچ سال پہلے پھوڑا جا چکا ہے۔

"دیکھی جائے گی۔" میں نے دل کو تسلی دی۔

☼ ☼ ☼

جیسے جیسے روز گزرتے جا رہے تھے میرا دل

"لیں۔" اس نے دوسرے ہاتھ میں پکڑے لال لال نوٹ دکھا کے کہا۔

"جا کے اپنے بڑوں سے مانگو۔"

"تم بھی تو مجھ سے بڑے ہو پورے ڈیڑھ سال۔"

"کیا مصیبت ہے۔" میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیسی لگ رہی ہوں میں؟" وہ میرے سامنے تن کے کھڑی تھی۔

"بقر عید پہ قربانی کے لیے سجی گائے جیسی۔" میں نے اس بے ڈھنگی پھپی مندی... بھاری زیورات اور زرق برق لباس کو تنقیدی نظروں سے گھورتے ہوئے چبا چبا کے کہا اور اپنے کمرے میں آکر دروازہ بند کرلیا۔

مجھے رضیہ کی بے باکی اور جرأت پہ حیرت تھی۔ یہاں گھر کا ماحول اتنا آزاد نہیں تھا اس کے باوجود اور میں نے تو اس کی کسی قسم کی حوصلہ افزائی بھی نہیں کی تھی پھر اس کی ہمت ہوئی کیسے؟ شاید اس رشتے کی وجہ سے جو ہمارے درمیان موجود ہے۔

"تم نے رضیہ کو کچھ کہا ہے؟" دوپہر کو امی سنجیدگی سے مجھ سے سوال کر رہی تھیں۔ میں رضیہ کی چغل خوری پہ دنگ رہ گیا۔ ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔

"وہ تو... وہ تو میں نے مذاق کیا تھا امی۔"

"میں تمہیں گھر سے اسی لیے سمجھا کے لائی تھی مگر تم تو بہت ہی نالائق نکلے۔ شرم نہیں آتی تمہیں گھر کی بچی سے ایسے مذاق کرتے ہوئے مانا کہ وہ تمہاری منگیتر ہے مگر ادب لحاظ شرم حیا بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ مجھے تم سے امید نہیں تھی۔ میں نے تمہاری ایسی تربیت تو نہیں کی تھی۔"

"پلیز امی! سارے ڈائیلاگ اکٹھے تو نہ دے ماریں۔ ایسا بھی کیا کہہ دیا میں نے۔"

"دیکھو بیٹا! وہ گھر کے سادہ ماحول میں پلی بڑھی شرمیلی سی شریف بچی ہے اس کے ساتھ تمہیں ایسا مذاق نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"کیا؟ کیا؟" حیرت سے میری [illegible] گئی۔

"اور کیا؟ وہ تو سخت گھبرائی ہوئی ہے۔ کمرے سے ہی نہیں نکل رہی۔ اس کی ماں نے مجھے بلوا بھیجا میں نے پیار سے پوچھا تو بتایا کہ وہ تمہاری وجہ سے کمرے سے باہر نہیں آ رہی۔ پتہ نہیں تم نے کیا حرکت کی ہے اس کے ساتھ کہ میں تو تمہاری چچی کے سامنے نظر اٹھانے کی ہمت نہ کر سکی۔ بڑی مشکل سے اسے سمجھایا ہے کہ یہ بات مردوں کے سامنے نہ نکلے۔"

"کون سی بات؟" میں ابھی تک حق دق تھا۔ بات پوری طرح سمجھ میں آنے کے باوجود کہیں نہ کہیں اب تک اٹکی ہوئی تھی۔

"یہی تمہاری چھیڑ چھاڑ والی۔" وہ ناراضی سے بولیں۔

"چھیڑ چھاڑ میں نے کی؟"

"نہیں وہ سیٹیاں مار گئی ہے تمہیں وہی چٹکیاں بھر گئی ہے اور وہ واہیات گانا بھی اس نے گایا تھا وہ گلے لگانے والا توبہ۔ تم اتنے لوفر ہو گے مجھے اندازہ نہ تھا۔"

"بے شک سیٹیاں نہیں ماریں، چٹکیاں نہیں بھریں مگر گانا تو وہی گا کے گئی تھی۔"

"تو وہ کوئی گانا تھا۔ بچی نے کتنے بھولے پن سے تائے کی فرمائش پوری کی تھی۔ اس کا تو بچپنا نہیں گیا ابھی... اسی لیے تو تمہاری حرکتوں سے خوف زدہ ہو گئی ہے۔"

"کیسی حرکتیں؟ کون سی حرکتیں؟ اس نے بکواس کی اور آپ نے مان لیا۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ آپ اسے میرے سامنے لائیں۔"

"اب وہ نہیں آنے والی۔ اس کی ماں نے پردے میں بٹھا دیا ہے۔ ڈوب مرنے کا مقام ہے ہمارے لیے کہ ہمارا بیٹا اپنے ہی سگوں کی نظر میں اتنا بے اعتبار ہے کہ وہ اپنی بیٹیاں چھپاتے پھر رہے ہیں۔ ابھی ہم کل کا دن یہاں ہیں اپنے اوپر کنٹرول رکھو۔ تاک جھانک مت کرتے پھرنا۔"

"امی... آپ..." میں روہانسا ہو گیا۔ اس لڑکی نے مجھے ماں کی نظر میں دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا تھا۔

"ہاں ہاں سمجھتی ہوں میں، وہ منگیتر ہے تمہاری مگر

شریفوں کے کچھ اطوار ہوتے ہیں۔ تمہاری چچی نے بھی تمہیں ہونے والا داماد سمجھ کے درگزر کر دیا ہے ورنہ وہ بڑی ہتھ چھٹ عورت ہے۔"

میں ایسا سہما کہ اگلے دن تک بستر سے نکلنے کا نام نہ لیا۔

☼ ☼ ☼

اس واقعے کا اثر مجھ پہ تادیر رہا۔ رضیہ کے بارے میں میری رائے پہلے بھی اچھی نہ تھی اب اور بری ہو گئی۔ ادھر جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا۔ دونوں گھروں میں یہ ذکر زیادہ شدت سے ہونے لگا۔ اب تو تحائف کا لین دین بھی شروع ہو گیا۔ عیدیاں وغیرہ باقاعدہ اہتمام سے آنے لگیں۔

"یہ لو مٹھائی... منہ میٹھا کرو۔ نارووال سے آئی ہے۔" امی نے میرے منہ میں چم چم ٹھونسی۔

"اب کس نے آبادی میں اضافہ کیا ہے؟" عموماً وہاں سے مٹھائیاں ان ہی خبروں کے ساتھ آتی تھیں۔

"رضیہ نے میٹرک پاس کرلیا ہے۔" امی سرشاری سے بتا رہی تھیں جیسے اس نے سی ایس ایس کا امتحان پاس کر لیا ہو۔

"خاصی رقم خرچ ہو گئی ہو گی چچا کی۔" میں نے قیاس آرائی کی جسے وہ ذرا نہ سمجھ سکیں۔

"میں نے انور سے کہا ہے کہ رضیہ کو لاہور کے کسی کالج میں داخل کرا دو۔"

"کیوں نارووال میں کیا گرلز کالجز نہیں ہیں یا سب میں وہ بلیک لسٹ قرار دے دی گئی ہے۔"

"کالج کیوں نہیں ہیں۔ مگر میں نے سوچا تمہیں اس کی جن جن باتوں پہ اعتراض ہے شاید وہ لاہور رہنے کی وجہ سے ٹھیک ہو جائے۔ یہاں کے طور طریقے سیکھ لے۔ مگر انور ہچکچا رہا تھا کہہ رہا تھا لوگ باتیں کریں گے کہ بیٹی کو شادی سے پہلے رخصت کر دیا۔ منگیتر کے ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے رہتی ہے۔ حالانکہ میں نے اتنا سمجھایا کہ یہ اس کے تایا کا گھر بھی تو ہے۔"

"چچا بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" میں بولا۔ "وہ ایک عقل مند، باشعور، سمجھ دار اور ذہین انسان ہیں۔"

"تو میں کیا احمق، بے وقوف اور بے عقل ہوں۔" امی برا مان گئیں۔ "تم تو ابھی سے سسرال والوں کی سائیڈ لینے لگے۔ میں نے ایسا حل نکالا ہے کہ انور راضی ہو گیا ہے۔"

"کہیں آپ اسے گھر میں گھسانے کی خاطر مجھے تو باہر نہیں نکال رہیں؟" میں گھبرا گیا۔

"میرا دماغ خراب نہیں ہے۔ میں نے انور کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اسے ہاسٹل میں ڈال دے۔ ہفتہ وار چھٹی وہ میرے ہاں گزار لیا کرے گی۔ آگے پیچھے بھی تم اور تمہارے ابو اس کی خبر گیری کرتے رہا کریں گے۔"

"خبر تو میں اس کی ایسی لوں گا کہ بس ایک بار آ جائے۔" امی کے جانے کے بعد میں نے دانت کچکچا کے کہا۔

☼ ☼ ☼

"تائی امی میں نے نئے نئے فیشنوں کے سوٹ جوڑے سلائے ہیں۔ میں ابھی آپ کو دکھاتی ہوں۔ لیکن میچنگ سینڈلیں نہیں ہیں میرے پاس آپ مجھے انارکلی لے جانا۔ میں دس بارہ جوتیاں بھی لے لوں گی۔"

"سر سلامت رہے جوتیاں بہت۔" میں اس کے نزدیک سے گزرتا ہوا اس طرح بڑبڑایا کہ اسے سنائی بھی دے اور نہ بھی سنائی دے۔ وہ چونک کر چپ ہوئی تو میں سمجھ گیا کہ میرا مقصد پورا ہو گیا ہے۔

"یہ تم کیا الم غلم ڈھیر اٹھا لائی ہو۔" امی نے مایوسی سے اس کے ملبوسات دیکھ کر کہا۔ "ویسے بھی کالج میں تو یونیفارم پہننا ہے۔ ہاسٹل میں کوئی ہلکے پھلکے آرام دہ سادہ کپڑے چل جاتے۔"

"میں ہلکے کپڑے پہنوں گی تائی جی تو ہاسٹل لڑکیاں مجھے بھی پیچھے سے ہلکا ہی سمجھیں گی۔" وہ

ہاں آجاتی تھی‘ اسی طرح میں بھی اپنا بوریا بستر اس کی آمد سے پہلے لپیٹ لیا کرتا اور عثمان کے ہاں جا ڈیرہ جماتا۔ کمبائن اسٹڈی کا بہانہ خاصا کام آتا تھا۔ امی کو میرا یہ معمول ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔

”امی پلیز..... جب میں رضیہ کے یہاں دو دن رہنے والے معاملے پہ سمجھوتا کر چکا ہوں تو آپ کیوں نہیں کر لیتیں۔ کیوں ہر بار میرے وہاں جانے پہ بحث شروع کر دیتی ہیں۔“

”بحث؟ میں بحث شروع کرتی ہوں؟ ٹھیک ہے تم ایسے نہیں باز آؤ گے۔ میں تمہارے ابو سے بات کرتی ہوں پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ بحث ہوتی کیا ہے؟“

”امی‘ امی بات تو سنیں۔“ میں گھبرا کے ان کے پیچھے لپکا۔ مگر وہ اپنا کام کر کے رہیں۔ آدھے گھنٹے بعد ہی میں ابو جان کے رحم و کرم پہ تھا۔

”برخوردار یہ کیا تماشا ہے؟ یہ میں کیا سن رہا ہوں؟“

”آپ بول رہے ہیں ابو جی..... سن نہیں رہے۔“ میں ہلکا سا منمنایا۔

”بکواس بند کرو اور سچ بتاؤ ہر ہفتے اپنے دوست کے ہاں ڈیرہ جمانے کی اصل وجہ کیا ہے؟“

میں چپ رہا۔ وہ چند سیکنڈ تک گھورتے ہوئے میرے جواب کا انتظار کرتے رہے پھر دوبارہ گرجے۔

”جواب دو..... بولتے کیوں نہیں؟“

”آپ نے خود ہی تو بکواس بند رکھنے کا حکم دیا ہے۔“

”تو کیا تم علاوہ بکواس کے اور کچھ نہیں کہنا جانتے؟“ وہ اور بھی بگڑ گئے۔ ”سیدھی طرح بتاؤ۔“

”سیدھا جواب یہی ہے کہ پڑھائی کے لیے جاتا ہوں۔“

”کیا کرتا ہے تمہارا دوست؟“

”میرا کلاس فیلو ہے کرنا کیا ہے‘ میری طرح ہی اسٹوڈنٹ ہے۔“

”تو تم اس سے کیا پڑھنے جاتے ہو جو خود تمہاری جماعت میں پڑھتا ہے۔“

”میں اس کے ساتھ بیٹھ کے پڑھتا ہوں..... یکسوئی اور دھیان سے جواب ہمارے گھر میں ناپید ہے۔“

”مگر تمہاری امی کہہ رہی تھیں کہ تم رضیہ کی وجہ سے بھاگ جاتے ہو‘ وہ جھوٹ بول رہی ہے یا تم؟“

”کوئی بھی نہیں..... میں پڑھنے اور صرف پڑھنے کے لیے عثمان کے ہاں جاتا ہوں اور اس کی وجہ رضیہ ہی ہے۔ اس کے یہاں ہوتے ہوئے اس گھر کا کوئی کونہ ایسا نہیں ہوتا جہاں بندہ سکون کا سانس لے سکے۔ کبھی ٹی وی پہ اونچی آواز میں بے کار قسم کی فلمیں‘ ڈرامے اور گانے..... کبھی زیتون سے تو تو میں میں ہمارے گھر میں کبھی اس قسم کی زبان نہیں استعمال ہوئی جیسی وہ بولتی ہے۔ سن سن کر میرا دماغ پکنے لگتا ہے اور‘ اور جب دماغ کی یہ حالت ہو تو پڑھائی کیسے ہو گی۔“

”ہوں..... ٹھیک ہے میں بات کرتا ہوں سمجھاتا ہوں۔“ انہوں نے سر ہلا کے کہا۔ میرے دل نے خوشی کے مارے بھنگڑا ڈالنے کے لیے ایک ٹانگ اٹھائی۔

”رضیہ سے؟ اسے سمجھائیں گے؟ منع کر دیں گے؟“

”میں تمہاری ماں سے بات کروں گا‘ اسے سمجھاؤں گا کہ تمہیں جانے دیا کرے اسے منع کر دوں گا کہ مت ٹوکا کرے تمہیں۔“

”یعنی رضیہ کو کچھ نہیں کہہ سکتے آپ؟“

ٹانگ واپس نیچے آگئی۔

”بھئی اب اسے کیا کہوں ایک تو وہ بھتیجی دوسرے مہمان اور تیسرے ہونے والی بہو اور بہو اور سسر کا تو رشتہ ہی بڑا عجیب ہوتا ہے۔ چاچے بھتیجی کا رشتہ اس سے بھی عجیب میری اماں جی بھی اپنے چاچے کی بہو تھیں۔ بڑا پیار تھا ان میں اور میرے دادا جی میں۔ دادا جی اپنے زمانے کے بڑے مشہور پہلوان تھے۔ جب اکھاڑے میں اترتے تھے تو..... ہاں ایک بار گجرانوالہ کے شاہو پہلوان کو پچھاڑ ڈالا تھا انہوں نے۔ شیر نارووال کا خطاب ملا تھا انہیں۔ اس زمانے میں

رگ سے واقف ہوں۔"

"بس یہی تو رونا ہے تمہارے باپ کا' کام کی بات کرنی نہیں اور ادھر ادھر کے قصے سناڈالتے ہیں۔ لیکن تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ سیدھی طرح بتاؤ یہ بی اے والا چکر کیوں چلایا ہے؟"

"وہ دراصل..." میں نے گلا صاف کیا۔ "میں چاہتا تھا کہ رضیہ... یعنی جس سے بھی میری شادی ہونا' وہ کم از کم گریجویٹ ہو۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"امی پلیز کم از کم آپ یہ مت کہیے گا کہ میٹرک پاس لڑکی کے لگائے تڑکے اور گریجویٹ لڑکی کے لگائے تڑکے میں کیا فرق ہوتا ہے؟ میں کسی ایسی لڑکی کے ساتھ تو شاید گزارا کرلوں جسے سرے سے دال میں تڑکا لگانا ہی نہ آتا ہو مگر ایسی لڑکی کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا جس سے میرے خیالات نہ ملتے ہوں۔"

"مگر خیالات ملنے کے لیے بی اے پاس کرنا ضروری نہیں ہے۔" وہ بدستور مُصر تھیں۔

"تم بات سمجھنے کی کوشش کرو' رضیہ سے بی اے چار پانچ سال تک نہیں ہونے والا۔"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔ "مجھے بھی کوئی جلدی نہیں۔ وہ آرام سے کرتی رہے بے شک دس سال لگالے۔"

"اس کے باپ کا راج ہے جو وہ دس سال لگالے۔" امی جلال میں آگئیں۔ "میں اسی سال کے آخر تک تمہاری شادی کراکے رہوں گی۔"

اور یہ بات میں جانتا تھا' وہ اپنی اکلوتی اولاد۔ اور وہ بھی بڑھاپے کی اکلوتی اولاد کے سر پہ سہرا باندھنے کے لیے اس کے بڑھاپے کا انتظار نہیں کرسکتی تھیں۔ ان کی عمر کی خواتین اب تک نواسے نواسیاں' پوتے پوتیاں کھلانے کے سارے چاؤ بھی پورے کرچکی تھیں۔ اسی لیے میں نے دس سال تک انتظار کرنے والی بات کہہ کر انہیں خبردار کیا تھا۔

"شادی کے بعد وہ بے شک دس سال لگا کے بی اے کرے یا پندرہ سال لگا کر۔"

"امی!" میں نے احتجاج کرنا چاہا۔

"بس... میں نے طے کرلیا ہے۔ ہم دونوں پوتے کا منہ دیکھ کر اس دنیا سے جانا چاہتے ہیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی' کیا آپ کو پتہ ہے کہ اس سال کے آخر تک میری شادی کروانے سے اگلے سال کے آخر تک آپ لازماً اپنے پوتے کا منہ دیکھ لیں گی؟"

"ہمیں تو اللہ کے کرم سے پوری امید ہے مگر تم اتنے بے یقین کیوں ہو؟" امی نے ایسے اچنبھے انداز میں پوچھا کہ میں بلبلا اٹھا۔ خفت کے مارے کتنی دیر تک تو نہ نظریں اٹھا سکا نہ کوئی جواب بن پڑا۔

"وہ دراصل... میرا مطلب تھا ایسی مرادیں پوری ہونے میں بھی کئی سال لگ جاتے ہیں۔ قدرت کا کوئی پتہ تھوڑی ہوتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں' بے شک دس سال لگ جائیں۔" وہ میری بات میرے ہی منہ پہ مار کے چلی گئیں۔

☼ ☼ ☼

"آپ میرے پاس ہونے کی خوشی میں مجھے کیا تحفہ دو گے؟"

"پہلے تم پاس تو ہو جاؤ۔"

اس کے بے حد لاڈ سے کیے سوال کے جواب میں میں نے خاصی رکھائی سے کہا۔ جس کا اس پہ خاص اثر نہ نظر آیا۔

"میں تو سونے کی چین لوں گی۔"

"اور میں چین کا سانس..."

"وہ کیوں؟"

"ایف اے کا معرکہ سر کرلینے کے بعد تم اللہ اللہ کرکے اپنے گھر تو سدھاروگی نا... پھر یہ گھر دوبارہ مجھے اپنا گھر لگنے لگے گا۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"زیادہ خوش ہو کر "پاٹنے" (پھٹنے) کی ضرورت نہیں ہے۔ رزلٹ آنے کے بعد تمہیں مجھے ہمیشہ کے لیے یہاں لانے کی تیاریاں شروع ہوجائیں گی۔ تائی جی تو ابھی سے بری کے جوڑوں کے

لے رہی ہیں۔"
"کیا صلاح لے رہی ہیں؟" میں چوکنا ہوا۔
"یہی کہ جوڑے کتنے ہونے چاہیں۔ کیسے ہونے چاہیں بھاری کتنے ہوں اور سادے کتنے۔"
"چہ چہ... اور تمہاری خوش فہمی کہ تم اسے اپنے اوپر لے گئیں۔ ہو سکتا ہے وہ میری بری کے لیے تم سے رائے لے رہی ہوں۔ مگر یہ بری تمہارے لیے ہی تیار ہو رہی ہے۔ اس کا یقین مت کرنا امی آج کل میرے لیے لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔"
میں نے پوری کوشش کی اسے ورغلانے کی۔ امی سے متنفر کرنے کی اور دل برداشتہ کرنے کی مگر وہ لاپروائی سے ہاتھ ہلا کے کہنے لگی۔
"اور آپ کی خوش فہمی کہ... آپ تائی جی کی اس لڑکیاں ڈھونڈنے والی بات کو اپنے اوپر لے گئے۔ حالانکہ وہ تو گھر کے کام کاج کے لیے کوئی ڈھنگ کی چھوکری ڈھونڈ رہی ہیں۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ زیتون اس گھر میں رہے گی تو میں نہ آؤں گی۔ اب ظاہر ہے انہیں ہونے والی بہو کی بات ماننی ہے نہ کہ نوکرانی کا لحاظ کرنا ہے۔ اس زیتون (گالی) کو تو میں بتا دوں گی کہ مجھ سے متھا لگانے کا انجام کیا ہوتا ہے۔"
اس نے اس روانی سے میرے سامنے گالی بکی کہ میں دم بخود رہ گیا۔ کسی عورت کی زبان سے اس قسم کی گالی سننے کا یہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ اس سے پہلے بھی اس کی زبان کے جوہر بہت بار دیکھے تھے مگر ایسی گالی۔
"رضیہ سلطانہ، تم سے شادی تو میں مر کے بھی نہ کروں۔" میں نے بھی قسم کھالی۔

☼ ☼ ☼

عثمان سے پتہ چلا کہ اس کی امی کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے خزینہ آج کل ہاسٹل سے ان کے ہاں آئی ہوئی ہے۔ یہ ایک زبردست موقع تھا امی کو اس سے ملوانے کا۔ مگر میں یہ بھی جانتا تھا کہ اگر میں خزینہ سے شادی کی خواہش کا اظہار کرنے کے بعد انہیں اس سے ملواؤں گا تو شاید وہ سرے سے ملنے سے ہی انکار کردیں اور اگر ملیں بھی تو تعصب کی عینک لگا کر۔ اس لیے میں نے آنٹی یعنی عثمان کی امی کی عیادت کے لیے انہیں تیار کرنا چاہا۔
"تم ہو تو آتے ہو روزانہ۔ میں جا کے کون سی زمانے سے انوکھی تیمارداری کر آؤں گی۔"
وہ پتہ نہیں کیوں آلکسی دکھا رہی تھیں، ورنہ ایسے کاموں میں ہمیشہ آگے آگے رہتی تھیں۔
"میری بات اور ہے۔ آپ کی بات اور، وہ میرا اتنا خیال رکھتی ہیں۔ کیونکہ میں ان کے بیٹے کا دوست ہوں۔ آپ کو ان کی عیادت کے لیے جانا چاہیے کیونکہ وہ آپ کے بیٹے کے دوست کی امی ہیں۔"
"زیادہ سبق مت پڑھاؤ۔ میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ میرے اپنے گھٹنوں میں اتنا درد ہے۔ چلنے پھرنے سے عاجز ہوں۔"
"میں پیدل نہیں گاڑی لے کر جا رہا ہوں۔" ان کے اتنا حجت کرنے پہ میں چڑ گیا۔ اندر ہی اندر ڈر بھی گیا کہ کہیں انہیں معاملے کی بھنک تو نہیں پڑ گئی جو آنا کانی کر رہی ہیں۔
"ابھی وہ رضیہ لینے آجائے تو سب درد بھلا کے چل پڑیں گی۔ آپ انارکلی اور اچھرہ بازار۔" میں بڑبڑایا۔
آخر کار سو احسان دھر کے وہ میرے ساتھ عثمان کے ہاں پہنچیں۔ سارے راستے میں دل ہی دل میں دعائیں کرتا رہا کہ خزینہ ایسے ان کے دل کو چھوئے کہ رضیہ چیخیں مارتی نکل جائے۔
"یہ کون بچی ہے؟ تمہاری بہن؟"
خزینہ کو دور سے ہی دیکھ کے انہوں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا، میرے دل نے زور سے دھڑک کر شور مچایا۔
"بہن ہی سمجھ لیں۔ پھوپھو کی بیٹی ہے۔" عثمان نے تعارف کرایا۔ خزینہ اپنی عادت کے مطابق بڑے قرینے اور سبھاؤ سے ان سے ملی۔ پھر آنٹی کو پرہیزی کھانا بھی ان کے سامنے بڑے اصرار سے کھلایا، دوا دی۔ پیروں پہ مالش کی۔ اس دوران وہ امی سے چھوٹی چھوٹی عام گھریلو باتیں کرتی ہوئی مجھے پہلے سے الگ

بھی لگی اور کہیں زیادہ اچھی بھی۔
"آپ کی تو خاصی دوستی ہو گئی ایک ہی گھنٹے میں؟" واپسی پہ میں نے ان کے خیالات ٹٹولنا چاہے۔
"ہاں بہت اچھی خاتون ہیں۔ ہماری عادتیں بھی بہت ملتی جلتی ہیں۔ اور بیماریاں بھی۔ ان کو بھی جوڑوں کی تکلیف ہے۔"
"میں خزینہ کی بات کر رہا ہوں۔"
"ہاں وہ... مجھے عجیب سی لڑکی لگی۔ بالکل ٹھس۔"
"کیا؟" میرا پاؤں بریک پہ جا پڑا۔ گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ جارکی۔
"تمہاری گاڑی کیوں ٹھس ہو گئی؟"
"خزینہ آپ کو عجیب سی لگتی ہے اور... اور..." دوسرا لفظ ادا کرنے کی مجھے جرأت نہ ہوئی۔ جیسے خزینہ کی بے عزتی ہونے کا احتمال ہو۔
"ہاں تو اور کیا؟ لڑکیوں والی کوئی بات ہی نہیں اس میں۔ نہ ہنسنا... نہ بولنا۔ عجیب پھیکی سی شکل ہے اور پھیکی باتیں، بڈھی روح۔"
"وہ بہت اچھی باتیں کرتی ہے۔"
"اچھا۔ تو تم اس کی باتیں سننے یہاں گھسے رہتے ہو۔" امی نے اس بری طرح گھورا کہ میں گڑبڑا کے رہ گیا۔
"وہ یہاں کب ہوتی ہے؟ وہ تو ہاسٹل میں رہتی ہے اور آپ کی اس لاڈو رانی رضیہ کی طرح اندھا کانا نہیں رہتی کہ دو دن ہاسٹل میں اور چار دن کسی اور کا خون جلانے اس کے ہاں۔"
"اب رضیہ کا یہاں کیا ذکر؟" وہ کچھ مشکوک ہو گئی تھیں۔ میں نے مزید بات آگے بڑھانے کی بجائے چپ چاپ ڈرائیونگ کرنے میں ہی اپنی بہتری جانی۔ مگر وہ بھی میری ماں تھیں۔ باقی کا سارا راستہ وہ چپ چاپ کچھ سوچتی رہیں اور میرا دل ہولتا رہا۔

☼ ☼ ☼

"کہاں جا رہے ہو؟" مجھے پیچھے سے ان کی آواز آئی تو ٹھٹھک کر رک گیا۔
"عثمان کے ہاں۔" ان کے سوال پہ حیران ہوتے ہوئے میں نے کہا۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ میں سوائے عثمان کے اور نہ کسی سے ملتا ہوں نہ اس کے گھر جاتا ہوں۔
"امتحان ہو چکے اب کون سی پڑھائیاں کرنے جاتے ہو؟"
"بس ایسے ہی گپ شپ کے لیے۔"
"رضیہ کل سے آئی ہوئی ہے۔ اس سے کر لو گپ شپ۔"
میں ڈنک کھا کر بدکا۔ پہلی بار انہوں نے اس قسم کا مشورہ دیا تھا ورنہ وہ خاصے پرانے خیالات کی خاتون تھیں۔ رضیہ سے میری بےزاری پہ مجھے ٹوکا ضرور کرتیں مگر کبھی بھی دوستی پیدا کرنے پہ زور نہیں دیا تھا۔ میں اسے غنیمت جانتا تھا پھر اب یہ مشورہ؟
"کھڑے کھڑے چھلانگیں کیوں مار رہے ہو؟ کیوں... رضیہ سے گپ شپ کرتے ہوئے تمہیں حیا آتی ہے؟" اچھے خاصے طنزیہ اور جلے انداز میں پوچھا گیا۔
میں نے بھی اتنے ہی جلے ہوئے انداز میں جواب دیا۔
"جیسی باتیں وہ کرتی ہے، حیا ہی آتی ہے۔"
"فضول باتیں مت کرو۔ وہ پھیکی صورت والی کون سا تمہیں درس دیتی ہوگی۔ جس کی باتیں سننے بھاگ رہے ہو وہاں۔"
"حد کرتی ہیں امی۔" میں کھسیا گیا۔ "وہ وہاں کہاں؟" اتفاقاً "آئی ہوئی تھی اس دن؟ میں تو یونہی بس ایسے ہی ٹائم پاس کرنے۔"
"اتنا ٹائم ہے تو ہمیں دو نا... میرے تو گھٹنے سخت درد کر رہے ہیں۔ تم رضیہ کو ذرا لبرٹی تک لے جاؤ۔ اسے کچھ شاپنگ کرنا ہے۔"
"امی... میں... مم..." میں نے لاکھ ہاتھ پیر مارے، سر بھی پٹخا مگر انہوں نے رضیہ کو میرے سر پہ سوار کرا کے ہی دم لیا۔
"بیٹھو۔" پھاڑ کھانے والے انداز میں میں نے اسے گاڑی میں بیٹھنے کے لیے کہا جو شاپنگ پہ —

جانے کے لیے یوں تیار ہوئی تھی جیسے کسی فنکشن میں جا رہی ہو۔

"میں گاڑی میں نہیں جاؤں گی۔"

"پھر۔۔۔؟ رکشہ رکواؤں؟"

"نہیں، میں تمہارے ساتھ موٹر سائیکل پہ جاؤں گی۔"

"موٹر بائیک؟ نہیں ڈبل سواری پر پابندی ہے۔ پکڑے جائیں گے۔" میں نے بہانہ بنایا۔

"مجھے الو نہ بناؤ۔ ڈبل سواری پہ پابندی ہوگی۔ مگر لیڈیز پہ نہیں ہے۔"

"بائیک میں پیٹرول نہیں ہے۔"

"پاس ہی تو پیٹرول پمپ ہے۔ تھوڑا سا پیدل چلتے ہیں ڈلوا لیتے ہیں۔"

"دیکھو رضیہ سلطانہ! تمہیں میرے ساتھ جانا ہے تو چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ جاؤ ورنہ۔۔۔" میں مڑنے لگا تو وہ فوراً اندر بیٹھ گئی۔

"لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں دھمکیوں سے مانتے ہیں۔" بڑبڑاتے ہوئے میں نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

مارکیٹ جانے کے بعد رضیہ سلطانہ نے اپنا آپ دکھانا شروع کر دیا۔ پہلے تو پارکنگ میں اترتے ہی ایک سنگھاڑے بیچنے والے کو روک لیا۔

"انکل سنگھاڑے کا ریٹ کیا ہے؟"

میں نے چونک کے دیکھا۔ ایک تو پہلی بار اسے اتنی تمیز سے کسی سے بات کرتے سنا تھا اور دوسرا یہ کہ جس لڑکے کو وہ انکل کہہ کر ادب سے مخاطب کر رہی تھی وہ بمشکل بائیس تیئیس سال کا ہوگا۔ لفظ انکل سن کر اس کے ماتھے پہ سلوٹیں پڑ گئیں۔

"اٹھارہ روپے پاؤ خالہ جی۔"

"دُر فٹے منہ۔۔۔" ساری شائستگی رفوچکر ہو گئی۔

"یہ کوئی چیز ہے کھانے والی۔ آگے نکلو۔" اس سے پہلے کہ وہ کوئی تماشا لگاتی، میں نے اسے آگے کی جانب دھکیلا۔

"ہائے شکر قندی۔" وہ ایک خوانچے والے پہ ریشہ خطمی ہو گئی۔ صد شکر کہ انکل ساٹھ پینسٹھ سال کے قریب تھا۔ دھوتی کے اوپر میلی سی بنیان، ٹوٹا چشمہ جس کے ایک جانب دھاگا باندھ کے دھندلی آنکھ پہ اٹکا رکھا تھا۔

"بھائی جان! شکر قندی کس طرح دے رہے ہیں؟"

"ابل کے، مسالا ڈال کے، کھٹا نچوڑ کے۔ کاغذ میں رکھ کے۔" بابے نے تفصیلاً سارا عمل دوہرا لیا۔

"آئے ہائے۔ میرا مطلب ہے کس طرح ریٹ کیا ہے؟"

"کتنے کی دے رہے ہو بابا جی۔؟" بابا جی کے دماغ میں لفظ ریٹ شاید اٹک گیا تھا اس لیے میں نے سلیس زبان میں سمجھایا۔

"جتنے کی لینے والے کی اوقات ہے۔" عجیب بابا اکھڑ بابا ہے۔

"ہائے بھائی جان کتنے روڈ ہیں آپ۔" رضیہ نے لاڈ سے گلہ کیا۔

اور میں منہ کھول کے اسے دیکھنے لگا۔ جیسی اس کی زبان تھی اس لحاظ سے تو اسے "کتنے لعنتی ہو تم" کہنا چاہیے تھا۔ یہ انگلش کا بخار اسے نجانے کیوں چڑھ گیا تھا۔

"اچھا دس روپے کی دے دیں۔ اور ذرا اسپائسی دینا۔"

"وہ تو نہیں ہے کُڑیے۔ میں صرف شکر قندی بیچتا ہوں۔"

"یعنی مانگ رہی ہے، مسالا ذرا زیادہ ڈالنا۔"

"یہ بڑی ہے یہاں کے دکانداروں سے اسی طرح بات کرنی پڑتی ہے من کر کے۔" بعد میں چلتے چلتے شکر قندی کھاتے ہوئے اس نے وضاحت کی اور میری حیرانی دور کی۔

"مصیبت۔۔۔ ایک تو دو تیاں بس ادھر ہی اچھی ملتی ہیں ورنہ میں تو تھوکوں بھی نہ یہاں۔ پھر زندہ باد۔ بندہ چھ سو کی چیز آرام سے ڈیڑھ سو کی کرا لیتا ہے اور انکل شکل بھی نہیں کم بخت۔"

"نہیں شاید کچھ خریدنا تھا۔" میں نے اُکتا کے یاد دلایا۔

"ہائے، مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"پکی تو ری ہو۔ کوئی برگر شوگر کھائیں؟"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔" میں نے منہ پھیر لیا۔

"اُف۔ میں کیوں اکیلی کھاؤں۔ اکیلی تو نہیں"

"تم۔۔۔" کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اچانک میری نظر سامنے ایک جیولری کے اسٹال پہ کھڑی خزینہ پہ پڑی۔ اس وقت مجھے اپنے ساتھ رضیہ کا ہونا کہیں زیادہ برا لگا۔ بس نہ چل رہا تھا۔ بھاگ کے اس سے ملنے جاؤں۔ پھر میری نظر عثمان پہ گئی جو ذرا فاصلے پہ بے زار شکل لیے کھڑا تھا۔

"عثمان! وہ میرا دوست ہے۔ تم یہیں رہو۔ میں اس سے مل کے آیا۔"

"میں کوئی نہیں اکیلی۔" وہ کندھے اور سر زور زور سے انکار میں ہلانے لگی اور میرے پیچھے پیچھے ہی چلی آئی۔

"ارے یار تم کہاں؟" میں نے عثمان کے شانے پہ دھپ لگا کے اسے اپنی جانب متوجہ کیا اور پھر خزینہ کو دیکھ کر چونکنے کی زبردست اداکاری کی۔

"اوہ۔۔۔ تم خزینہ صاحبہ کے ساتھ آئے تھے۔"

"جی نہیں۔ میں ان کے ساتھ آئی ہوں۔" اس نے مسکرا کے تصحیح کی۔

"اور تم۔۔۔؟" وہ سوالیہ انداز میں میرے پیچھے کھڑی رضیہ کو دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔

"میں۔۔۔" میں رضیہ کا تعارف کرانے کے لیے مناسب الفاظ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ خود پھٹ پڑی۔

"میں رضیہ ہوں جی۔ رضیہ ملک مگر یہ مجھے پیار سے رضیہ سلطانہ کہتے ہیں۔"

کاش میں اسی وقت اسے بتا سکتا کہ میں رضیہ سلطانہ اسے پیار سے کہتا ہوں یا۔۔۔

"میں ان کی کزن بھی ہوں، دوست بھی ہوں۔ اور بھی بہت کچھ ہوں۔" اپنے مزاج کے چھچھورے پن کا مظاہرہ وہ خوب لہرا لہرا کے کر رہی تھی۔

"بہت کچھ۔۔۔؟ مثلاً؟" یہ وضاحت خزینہ نے طلب کی اور میں نے خود کو اس وقت کے لیے کوسا، جب میں اس بلا کے ساتھ ہونے کے باوجود ان دونوں کے پاس چلا آیا تھا۔

"مثلاً" منگیتر۔۔۔" آخر اس نے شوشہ چھوڑ ہی دیا۔

عثمان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"بہت سوئٹ ہیں آپ کی فیانسی۔" خزینہ مسکرا کے مجھ سے مخاطب ہوئی۔ میں جواباً مسکرا بھی نہ سکا۔

"ان سے کیا کہہ رہی ہیں۔ انہیں میٹھا منع ہے۔" اس نے خاصی بلند سرگوشی کی، اور میں نے اسے یہاں سے لے جانا ہی بہتر جانا۔

☼ ☼ ☼

"کیا بتاؤں امی! کتنا شرمندہ کیا اس نے۔" میں امی سے شکایت کر رہا تھا کہ وہ چلی آئی۔

"ہائے کیا بتاؤں، کتنی شرم آئی مجھے۔"

"پہلے تم دونوں طے کر لو کہ شرمندہ کون ہوا تھا اور شرم کسے زیادہ آئی تھی۔" امی نے کہا۔

"ان کا وہ دوست نہیں ہے عثمان، جس کے گھر بھاگ بھاگ کے جاتے ہیں، وہ بازار میں اپنی سہیلی کے ساتھ پھر رہا تھا۔"

"سہیلی؟"

"ہاں تائی جی، وہی گرل فرینڈ۔"

"بکواس۔۔۔ وہ اس کی کزن تھی۔ امی یہ خزینہ کی بات کر رہی ہے۔"

"تو کیا کزن گرل فرینڈ نہیں ہو سکتی؟ پھر وہ اس کے ساتھ بازار کیا کرنے آیا تھا۔" وہ جرح کرنے لگی۔

"میں بھی تو تمہارے ساتھ بازار گیا تھا۔"

"جس طرح آپ بوتھا بنا کے پھر رہے تھے، وہ نہیں

پھر رہا تھا اس کی تو باچھیں چری ہوئی تھیں۔"

"میری بھی یہ حالت ہو سکتی تھی اگر خزینہ اس کی بجائے میرے ساتھ ہوتی اور یہ تھا اس کا میرے بھی برا بن سکتا تھا اگر تم اس کے ساتھ ہوتیں۔"

امی سامنے تھیں اس لیے یہ بات میں نے دل ہی دل میں کہی۔

"پتا ہے تائی جی، دونوں ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کے مسکرا رہے تھے۔ شوخے کہیں کے۔"

"اچھا؟ اس دن تو کہہ رہا تھا بہن ہی سمجھ لیں آنٹی۔" امی نے تعجب کا اظہار کیا۔

"تو آپ کو سمجھنے کو کہہ رہا تھا، خود تو نہیں سمجھتا۔ آپ کے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ اتنی ڈھیر شاپنگ کرائی اپنے باپ کی حق حلال کی کمائی ساری کی ساری اس لڑکی پہ لٹا دی۔"

"تمہیں الہام ہوا تھا کہ وہ ساری شاپنگ اسے عثمان نے کرائی تھی۔" میں زچ ہوا تھا اس کی لغو باتوں سے۔

"تو اور کس نے کرائی تھی۔ اس کی شکل تھی وہ مزی خرچنے والی؟ ساری میرے جیسی نہیں ہوتیں تائی جی! میں نے تو شکر قندی بھی اپنے دس روپے خرچ کر کے کھائی تھی۔"

"تم بچی کو کچھ کھلا پلا کے بھی نہیں لائے؟"

"تو... ان کے تو ہوش اڑ گئے تھے۔ اپنے دوست اور اس کی سہیلی دیکھ کے۔ بھاگے چلے گئے، حالانکہ دونوں کی شکل سے صاف لگ رہا تھا کہ انہیں ہمارا آنا پسند نہیں آیا۔ یہاں بھی عیش ہو رہے تھے۔ سیر سپاٹے ہو رہے تھے۔"

"ہوں..." امی نے کچھ سوچا پھر مجھے مخاطب کیا۔

"کل شام ذرا مجھے اپنے دوست کے ہاں تو لے جانا۔"

"وہ کس لیے؟" میں حیران ہوا۔

"ذرا ان کی والدہ سے ملاقات کرنا تھی۔"

"وہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔" میں نے روکنا چاہا مجھے کسی خطرے کا احساس ہو رہا تھا۔

"تو کیا صرف بیمار ہوں تب ہی ان سے ملنے کی اجازت ہوتی ہے۔ عام دنوں میں پردہ کرتی ہیں؟ مجھے ملنا ہے کل ہر حال میں لے کر چلو۔"

☆ ☆ ☆

"وہ بچی نظر نہیں آ رہی... خزینہ۔"

امی نے وہاں جاتے ہی ادھر ادھر نظریں دوڑا کے کہا۔ میرا دل اچھل کے حلق میں آ گیا۔ مجھے پہلے ہی لگ رہا تھا کہ وہ خدائی فوجدار بن کے عثمان اور خزینہ کے مارکیٹ میں شاپنگ کرنے کا قصہ بیان کرنے کو ہوں گی اور ہو سکتا ہے آنٹی کو لگے ہاتھوں عثمان کو نکیل ڈال کر قابو میں رکھنے اور خزینہ سے بچانے کا مشورہ بھی دے ڈالیں کیونکہ رضیہ نے اپنی فضول گوئی کی وجہ سے کچھ ایسی ہی صورت حال کا نقشہ کھینچا تھا۔

"وہ تو واپس ہاسٹل چلی گئی۔ بڑا سکھ تھا ان چار پانچ دنوں میں اس کی وجہ سے۔ بہت خدمت کی اس نے۔"

"ہاں، اچھی خدمت گزار، سعادت مند بچی ہے۔" امی کی زبانی تعریف سن کے میں بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔

"شکل و صورت کی بھی پیاری ہے اور سگھڑ بھی لگتی ہے۔ ایسی لڑکیوں کے لیے تو رشتے نیاپ برستے ہیں۔ اس کی بھی کہیں منگنی وغیرہ تو ہو چکی ہوگی؟"

"نہیں ابھی تک تو نہیں۔"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے۔" امی کھل سی اٹھیں۔

"اسے پہلی نظر میں دیکھ کے ہی مجھے یہ خیال آیا تھا کہ ایسی بہو نصیب والوں کو ملتی ہے اور کتنا خوش نصیب ہوگا وہ گھر جہاں وہ دلہن بن کے جائے گی۔"

میری وہ حالت تھی کہ نہ زندوں میں تھا، نہ مردوں میں، دم سادھے امی کے اگلے جملوں کا انتظار کر رہا تھا۔

"وہ خوش نصیب آپ بھی تو ہو سکتی ہیں۔"

"کاش... کاش یہ الفاظ آنٹی نے ادا کیے ہوتے اور امی سوچ میں پڑ جاتیں... پھر چونک کے کہتیں۔

"یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا۔ آپ کے منہ

[illegible] خیال امی نے پیش کیا تھا [illegible] آنٹی نے کی تھی۔ [illegible] بہت ضبط کر کے میں [illegible] عثمان اور خزینہ کی شادی کی [illegible] مطمئن، بڑی شاد [illegible] بڑی سو مسکراہٹ تھی جیسے جو [illegible] فاتحانہ [illegible] وہ کر کے رہیں۔ سارے [illegible] منہ پھلا کے اپنی ناراضی کا اظہار کرتا [illegible] کے بھی انجان بنی رہیں۔

☆ ☆ ☆

"تم نے یہ کام کب سے شروع کیا ہے؟" اگلے دن عثمان کے ہاتھ چڑھ گیا۔

"کیا پھونک دیا ہے تم نے میری امی کے کانوں میں؟"

"میں نے نہیں، میری امی نے کیا ہے؟" میں صدمے سے [illegible] ہو گیا میں تو اس کے شانے پہ سر رکھ کے رونے اور اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے آیا تھا۔ وہ الٹا مجھے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔

"مگر یہ خیال ان کے دل میں آیا کیسے؟ یقیناً تمہاری وجہ سے ہی؟" میں نظریں چرا گیا۔ کسی حد تک یہ بات درست تھی۔ امی کی بلا سے چاہے عثمان اور خزینہ ساری عمر کنوارے رہتے، لیکن وہ میری جانب سے کھٹک گئی تھیں اور اپنی دانست میں انہوں نے اس سارے قصے کو بڑی ذہانت اور خوش اسلوبی سے نمٹایا تھا۔

"میرا بس چلتا تو میں امی کو بھی یہ نہ کرنے دیتا۔ میرا یقین کرو۔ اس تخریبی کارروائی میں میرا قطعی کوئی ہاتھ نہیں ہے۔"

"اوہو، تم تو رونے بیٹھ گئے ہو۔" میرے رندھے گلے کے ساتھ کیے جذباتی مکالموں کا اس پہ خاطر خواہ اثر ہوا۔

"ایسا کوئی قہر بھی نہیں ٹوٹ پڑا۔ ہاں بس کچھ اچانک اور غیر متوقع سی بات لگی تھی امی کی۔ تم کیوں پریشان اور پشیمان ہوتے ہو۔"

"کیا مطلب؟ تم سیریس ہو گئے؟"

"پتہ نہیں، اگر امی ہو گئیں تو ہو جاؤں گا۔" اس نے شانے اچکائے۔

"کیسے ہو جاؤ گے؟ تمہاری اپنی بھی کوئی پسند ہے۔ اپنی بھی کوئی مرضی ہے۔"

"یہی تو مصیبت ہے، نہ میری اپنی کوئی پسند ہے نہ مرضی۔"

"تو کرو پسند یونیورسٹی بھری پڑی ہے حسین چہروں سے۔" میں نے ورغلانا چاہا۔

"میں تمہیں ایسا نظر باز لگتا ہوں۔ ویسے یار! یہ مائیں کس لیے ہوتی ہیں۔ اگر وہی ہمارے لیے ٹھیک ٹھاک قسم کی لڑکی چن لیں تو ہمیں کیا ضرورت ہے ادھر ادھر منہ ماری کر کے جوتے کھانے کا رسک اٹھانے کی۔"

"ہاں مگر ٹھیک ٹھاک قسم کی۔ میرا خیال ہے خزینہ۔" میں اسے "نا ٹھیک" کہتے کہتے رک گیا۔ وہ خوبصورت ساحر آنکھیں بڑے شکوہ کناں انداز میں اٹھی تھیں۔

"خزینہ کیا؟"

"وہ تمہارے ساتھ میچ نہیں کرتی۔" میں نے فوراً بات بنائی۔

اور دل ہی دل میں بھڑاس نکالی۔ (ابے الو کہاں تو کہاں وہ... کہاں تیری ڈھیلی ڈھالی لکلی شخصیت کہاں اس کی سحر انگیز جادو اثر شخصیت۔)

"نہیں یار میں پانچ فٹ کا، وہ پانچ فٹ سات انچ کی۔ میچ کیسے نہیں کرتی؟"

"عادتیں، میری جان عادتیں، عادتیں ملتی جلتی نہ ہوں تو ذہنی ہم آہنگی نہیں ہو پاتی۔ ذہنی ہم آہنگی نہ ہو تو محبت قائم نہیں ہوتی اور محبت نہ ہو تو شادی کامیاب نہیں ہوتی۔ شادی کامیاب نہ ہو تو..."

"چپ کرو۔ خدا کا واسطہ ہے چپ کرو۔" اس نے ہاتھ جوڑے۔

"میں تمہاری آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"نہیں تم میرے کان بند کر رہے ہو۔" وہ کان میں انگلی ڈال کر ہلانے لگا۔

"خزینہ اچھی لڑکی ہے۔ میں مانتا ہوں مگر، مگر تمہارے لیے صرف اچھی نہیں۔ بہت اچھی بلکہ سب سے اچھی لڑکی ہونی چاہیے۔"

"مجھے نہیں پتا تھا تمہارے دل میں میرے لیے اتنی ممتا ہے۔"

"ممتا و متا۔ خاک نہیں ہے۔ ترس آرہا ہے۔ یہ سوچ کر کہ اگر تمہارا نصیب خزینہ سے پھوٹ گیا تو تمہارا بنے گا کیا۔"

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ مجھ میں خامیاں کیا کیا ہیں؟"

ایک آواز آئی اور میں بغیر مڑ کے دیکھے، کسی ریکارڈ کی طرح بجنا شروع ہو گیا۔

"بے حد تسلط پسند، خود پسند، مغرور، سست، مزاج فضول خرچ اور آدم بیزار۔"

"بہت کم وقت میں آپ میرے متعلق بہت کچھ جان گئے۔" اس بار اس آواز میں طنز کے ساتھ ساتھ دکھ کی ہلکی سی لرزش بھی تھی۔ عثمان کے چہرے کے تاثرات نے میرے جوشِ بیان کو ذرا کم کیا۔ میں نے رک کے ذرا غور کیا۔ وہ تو لب سیے گم صم کیفیت میں سامنے کھڑا تھا۔ پھر یہ آواز..... اور ہاں یہ آواز اتنی سریلی اتنی پیاری، میں نے مڑ کے دیکھا۔ خزینہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔

"عثمان! مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی کہ کوئی شخص تمہارے سامنے میرے بارے میں اس قسم کی باتیں کرے گا اور تم چپ چاپ سن لوگے۔ آخر میں تمہاری پھوپھی زاد ہوں۔"

"خزینہ! میں..." عثمان نے کچھ کہنا چاہا۔

"تم سے شادی تو میں ویسے بھی نہ کرتی اور یوں اپنے بارے میں وضاحت پیش کرنے کا مطلب بھی یہ نہیں کہ میں خود کو تمہارے قابل ثابت کر سکوں مگر مجھے یہ حق ہے کہ میں اپنے اوپر لگے ایسے الزامات صاف کر سکوں، مسٹر! میں نہ خود پسند ہوں، نہ تسلط پسند، نہ مغرور ہوں نہ سست۔ اگر ہوتی بھی تو میرا خیال ہے اس سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے، آپ سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"میں تو مذاق..."

"ہمارے مابین مذاق کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔" وہ بختی سے کہہ کر واپس مڑ گئی۔

"یار! تم سچ کہہ رہے تھے۔ یہ تو واقعی اُدھار نہیں رکھتی۔" عثمان نے ایک گہری سانس چھوڑی اس کے جانے کے بعد۔

"ہیں... وہ واقعی اچھی لڑکی ہے۔" میں اب دل سے شرمندہ تھا اپنے کہے الفاظ پہ۔ "ہاں بس، تمہارے ساتھ اچھی تمہیں لگے گی۔"

"اور تمہارے ساتھ؟"

عثمان کے سنجیدگی سے پوچھے سوال پہ میں چونک اٹھا۔ وہ گہری نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے پوچھا۔ تمہارے ساتھ کیسی رہے گی؟"

"میرے ساتھ؟ یہ کیا سوال ہوا؟"

"وہی جس کا جواب تمہارے چہرے پہ لکھا ہے۔ اتنا بڑا بڑا۔"

☼ ☼ ☼

پتہ نہیں کیسے میں عثمان پہ کُھل گیا۔ اب کُھل ہی گیا تھا تو وہ اندر تک اترے بنا رہ سکتا تھا بھلا۔

"اور وہ رضیہ سلطانہ، اس کا کیا ہوگا؟" عثمان نے میرے دل کے ہر راز سے واقف ہونے کے بعد پوچھا۔

"تم کس لیے ہو؟ دوست ہی دوست کے کام آتا ہے۔ ہر فلم میں ایسے موقعوں پہ دوست ہی قربانی دیا کرتے ہیں۔"

"میں لعنت بھیجتا ہوں ایسے دوستوں اور ان کے جذبوں پہ، ویسے بھی اطلاعاً عرض ہے کہ قربانی صرف جانوروں کی جائز ہے۔ دوستوں کی نہیں۔ تم اپنی منگیتر اپنے پاس رکھو۔"

"اسے پاس رکھوں گا تو خزینہ میرے پاس کیسے آئے گی؟"

"تمہارا ذاتی مسئلہ ہے۔" اس نے آنکھیں ماتھے پہ رکھ لیں۔

"ایسی بات ہے تو پہلے ہمدردی کیوں دکھا رہے تھے؟"

"اصل بات جاننے کے لیے کیونکہ جب تک کسی راز کی تہہ میں اتر نہ جاؤں، چین نہیں آتا۔"

"تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتے؟" بے حد مایوسی اور دل گرفتگی کے عالم میں، میں نے پوچھا۔

"تمہارا بی پی لو ہو رہا ہے۔ میں تمہیں لیموں پانی پلا سکتا ہوں۔ اگر بے ہوش ہو گئے تو تمہارے منہ پہ پانی کے چھینٹے بھی مار سکتا ہوں۔"

"پانی کے چھینٹے اب تم میری قبر پہ مارنا۔" دیوداس کے انداز میں یہ دل جلا فقرہ ادا کرنے کے بعد میں وگمگاتے قدموں کے ساتھ اٹھا۔

"یار! تم اپنی امی سے بات کیوں نہیں کرتے۔ میں بھلا کیا کر سکتا ہوں اس معاملے میں۔" سنجیدہ ہوا۔

"تمہارا خیال ہے میں ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھا ہوں۔" میں پھر سے بیٹھ گیا۔

"نہیں۔" وہ کراہا۔ "تم میرے ہاتھ پہ بیٹھ گئے ہو۔" پھر اس نے اپنا ہاتھ کھینچ کے نکالا۔

"میں نے امی سے بات کی تھی۔ ابو جی سے بھی کی تھی۔"

"میں نہیں مانتا۔ دکھانا ذرا" وہ میرا سر ٹٹول کے دیکھنے لگا۔

"سر تو سلامت نظر آرہا ہے۔"

"تم اپنی بکواس بند کرو گے۔ یا نہیں، میری جان پہ بنی ہے تمہیں بھانڈوں والی جگتیں سوجھ رہی ہیں۔ فضلو میراثی کہیں کا۔"

اس طعنے نے ذرا دیر کو اس کی بولتی بند کی۔

"تم اگر واقعی میرے دوست ہو تو اس کے پاس جاؤ اور اس کی غلط فہمی دور کرو۔ اسے بتاؤ کہ میں جو کچھ کہہ

رہا تھا۔ دراصل اس کے پیچھے میری نیت کیا تھی اور یہ کہ میں اس سے کتنی محبت کرتا ہوں۔"

"ہاں، یہ کام میں کر سکتا ہوں۔ نسبتاً" آسان ہے۔"

وہ مان گیا۔ میں اگلے مراحل سر کرنے کے بارے میں سوچنے لگا۔

☆ ☆ ☆

ایک بار پھر امید کی ایک کرن نظر آئی جب عثمان نے مجھے بتایا۔

"میں نے خزینہ کے سامنے ساری بات واضح کر دی ہے۔ اس کی غلط فہمی دور ہو گئی ہے اور اب وہ تم سے ملنے کے لیے بھی راضی ہے۔ آگے تمہاری قسمت۔ تم اسے کنونس کر سکتے ہو یا نہیں۔"

"میری قسمت پہ مت چھوڑو" اس معاملے کو۔ وہ کہاں اتنی اچھی ہے۔ بہرحال اللہ کا نام لے کر جاتا ہوں۔"

میں نے ایک بار پھر امید کا دامن تھام لیا۔

☆ ☆ ☆

"میں آپ کے جذبات کی قدر کرتی ہوں لیکن..." میری حکایت دل سننے کے بعد اس نے اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے اور میٹھے لہجے میں کہا۔

"بات صرف ایک انسان کے جذبات پہ ہی تو منحصر نہیں ہوتی۔"

"یعنی آپ اپنے دل میں میرے لیے کوئی جذبات نہیں رکھتیں۔"

"اس کی کوئی اہمیت نہیں۔" اس نے نہ انکار کیا نہ اقرار۔

"اس وقت اہمیت آپ کی منگیتر کے جذبات کی ہے۔ وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔"

"آپ اسے نہیں جانتیں خزینہ! اگر مجھے آپ پسند نہ ہوتیں تب بھی میں اس سے شادی نہ کرتا۔"

وہ کچھ تذبذب کا شکار نظر آئی۔

"لیکن اس وقت تو اس کے دکھ کی وجہ میں بن رہی ہوں۔ ابھی تو میرے لیے ہی آپ اسے مسترد کر رہے ہیں۔ نہیں میں اپنی وجہ سے کسی کو محرومی کا شکار نہیں بنے دینا چاہتی۔"

"یقین کیجیے، میں اس سے شادی کبھی بھی نہیں کروں گا۔ چاہے وجہ آپ بنیں یا نہیں۔ آپ صرف یہ بتائیں کہ آپ کو مجھ سے شادی کرنے پہ کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟ کیا میں آپ کی پسندیدگی کے معیار پہ پورا اترتا ہوں؟"

"اگر آپ میرے والدین کے معیار پہ پورا اترے تو یقیناً" مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ ان کی پسند میری پسند ہو گی۔ لیکن، لیکن اگر رضیہ اپنی خوشی اور مرضی سے آپ سے رشتہ توڑتی ہے تو پھر میری جانب قدم بڑھائیے گا ورنہ نہیں۔"

یہ ایک کڑی شرط تھی مگر میں نے بھی اس کسوٹی پہ پورا اترنے کی ٹھان لی۔

☆ ☆ ☆

"کیا؟" اس نے پورا منہ کھول لیا۔

"میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔"

میں نے اپنی بات دوہرائی۔

"کیوں؟ کیا تکلیف ہے؟"

"دل کی..."

"ہائے ہائے اتنی سی عمر میں بائی پاس ہو گا؟ کھاتے بھی تو اتنا ہو، وہ موا کولیسٹرول ہائی ہو گیا ہو گا۔ خیر کوئی بات نہیں، میں پرہیز کرا کرا کے ٹھیک کر دوں گی۔ دیکھو ناں... دل کے مریضوں کی کیا شادی نہیں ہوتی اور پھر فرض کرو تم مجھ سے شادی نہیں بھی کرتے، کسی اور سے ہو جاتی ہے تو اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ دو تین سال بعد وہ بھی کھا کھا کے چربی نہیں چڑھائے گا اور دل کا مریض نہیں بنے گا۔"

"مجھے کوئی ہارٹ اٹیک نہیں ہوا، مجھے کسی اور سے محبت ہو گئی ہے۔"

"کون ہے وہ بدذات فلانی ڈھمکانی۔"

فلانی، ڈھمکانی کی جگہ اس نے ایسے ایسے الفاظ

استعمال کیے تھے کہ میرا خون کھول کے رہ گیا تھا۔

"دیکھو اس بند کرو۔" پھر ساتھ ہی میں ذرا نرم پڑا۔ آخر اس سے کام بھی تو نکلوانا تھا۔

"کسی اور سے محبت کرتے ہوئے میں تمہارے ساتھ شادی کیسے کر سکتا ہوں۔"

"ویسے سارے کرتے ہیں۔ تم شادی تو کرو، میں خود ٹھیک کر لوں گی۔" اس کے عزائم جارحانہ

نہیں

مجھے

"دیکھو رضیہ! ایسے نہ تم خوش رہو گی نہ میں۔ تم اس شادی سے انکار کر دو۔"

"واہ انکار کروں، تم کون سی فلم دیکھ کے آ رہے ہو؟ من چوہتری کی؟ یا زیب النسا خور میں سے کوئی ناول پڑھ کے آ رہے ہو۔ اپنی امی کے رکھے پرانے رسالوں میں سے میں نے بھی وہ ناول اور افسانے پڑھے ہیں اور شبنم اور زیبا کی وہ فلمیں بھی دیکھی ہیں جن میں ایسے سین ہوتے ہیں، تم اس خیال میں نہ رہنا کہ میں یہ سب کروں گی۔"

"تمہیں یہ قربانی دینا ہو گی۔ اسی میں ہماری بھلائی ہے۔"

"تمہاری بھلائی ہو گی یا تمہاری اس ہوتی سوتی کی۔ میری کون سی بھلائی ہے شادی سے انکار کرنے میں۔ میں نہ تو ناول والی پاگل دی پتر ہوں نہ فلم کی ہیروئن جیسی الو کی پٹھی جو سائیڈ پہ ہو کے ہیروئن سے سائیڈ ہیروئن بن جاتی ہے۔ میں نے رسالے اتنے نہیں پڑھے جتنے ٹی وی کے ڈرامے دیکھے ہیں اور بہت کچھ سیکھا ہے ان سے۔ اب میں وہ کروں گی کہ چھ مہینے بعد ہونے والی ہماری شادی اسی مہینے ہو جائے گی۔"

"کیا؟ کیا کرو گی تم؟" میں خوفزدہ ہو گیا۔

"وہی جو اس موقع پہ سب سے کارگر ہوتا ہے۔" وہ پراسرار طریقے سے مسکرائی۔

"ویسے ایسے الزام لگاؤں گی تم پہ کہ تمہارے ماں باپ تمہاری چھترول کرتے ہوئے تمہیں کان سے پکڑ کے منڈپ پہ... میرا مطلب ہے نکاح پہ لے آئیں گے۔ چاہے اس کے لیے مجھے اپنی عزت ہی داؤ پہ کیوں نہ لگانی پڑے۔"

"رضیہ..." میں ششدر رہ گیا۔ اس کی زبان مکروہ اور غلیظ تھی یہ میں جانتا تھا۔ مگر خیالات اس قدر گھناؤنے ہوں گے اس کا اندازہ نہ تھا۔ وہ واقعی کسی بھی حد تک جا سکتی ہے میں نے یہ اندازہ لگایا اور چپ چاپ سر جھکا کے لوٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

رضیہ میرا آخری سہارا تھی۔ آخری امید جو اس بری طرح ٹوٹی کہ میں خود بھی ٹوٹ گیا۔

اور پھر میری شادی ہو گئی۔

آپ یقیناً" سوچ رہے ہوں گے کہ اس ناکام داستان کو سنانے کا میرا مقصد کیا تھا؟

صرف یہ بتانا کہ ضروری نہیں جو آپ چاہیں، وہی آپ کو مل جائے۔ لازم نہیں کہ جس چیز سے آپ فرار حاصل کرنا چاہیں اس سے چھٹکارا بھی ملے۔ ایک چیز ہوتی ہے نصیب۔ آپ اس سے لڑ نہیں سکتے اگر میرے نصیب میں یہ لکھا تھا کہ میں ایک بد زبان، غصیلی اور بدنیت عورت کے ساتھ اس کی کڑوی کسیلی سنتے ہوئے عمر گزار دوں تو مجھے یہی کرنا تھا۔

☆ ☆ ☆

میں نے چائے کا کپ واپس ٹیبل پہ رکھا۔

یادوں کے سفر میں میں اتنی دور، اتنا آگے نکل گیا کہ اپنی زبردست سی الائچی مار کہ دودھ پتی کا حق بھی ادا نہ کر سکا۔ بے چاری اپنی ناقدری کا افسوس کرتے کرتے ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

"ستیاناس.... غرق ہو جاؤ سب کے سب لعنتی اولاد، سارے گھر کا بیڑہ غرق کر دیا۔"

لو آگئی وہ.... جس کے ذرا دیر گھر پہ نہ ہونے سے نہ صرف میں نے اور بچوں نے بلکہ گھر نے بھی سکون کا سانس لیا تھا۔

"یہ کچن میں کس نے قیامت ڈالی ہے۔ وہ باپ گھسا ہو گا تمہارا اسے ہو کا اٹھتا ہے ہانڈی چولہا کرنے کا۔ اچھی بھلی چائے دم لگا کے گئی تھی میں مگر نہیں زبان کا چسکہ، بنائی ہو گی دودھ پتی، آدھا کلو دودھ کاڑھ کاڑھ کے ایک مگ بنایا ہو گا اپنے پیٹ کے تندور میں ڈالنے کے لیے۔ رزق کا دشمن اور لعنتی، تجھے کتنی بار کہا ہے دانت اندر رکھا کر.... نی صبا.... نی مرن جوگیے، جوئیں مارلیے مرجا اللہ کرے۔"

اس کی تان اشاپ گالیاں، کوسنے اور بددعائیں شروع ہو گئیں۔ پھر وہ کسی ناگہانی بلا کی طرح اندر نازل ہوئی۔

"تم اب تک بستر پہ اینڈ رہے ہو مگرمچھ کی طرح۔ اتنا نہیں ہوا کہ بچوں کو ہی دیکھ لیتے۔ سارے گھر میں آندھی لا کے رکھ دی ہے تمہاری بدبخت ذلیل اولادوں نے۔"

وہ کمر پہ ہاتھ رکھے اپنے خونخوار لالوں لال ڈیلے نکال کر مجھے گھور رہی تھی۔ مجھے زور زور کی جھرجھری آئی اور ذہن کے پردے پہ دودھ ہر بولیاں بولنے والے نیناں لہرائے۔ ایک سرد آہ میرے لبوں سے آزاد ہوئی۔

"توبہ ڈرامے، ہر وقت مرگ پہ افسوس کرنے والوں جیسی شکل بنائی ہوتی ہے اس بندے نے قسمت پھوٹ گئی تھی میری جو۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی دوبارہ کمرے سے نکل گئی۔

"آہ.... خزینہ!"

میرے دل سے فریاد نکلی۔

"کیا ہے؟" جاتے جاتے وہ پلٹی اور پھنکاری۔

"کک.... کچھ نہیں کچھ بھی نہیں۔"

"تو میرا نام لے لے کے کیا منتر پڑھ رہے تھے؟"

"وہ میں کہہ رہا تھا خزینہ! کہ آج موسم بہت اچھا ہے۔"

"یہ اچھا موسم ہے، دماغ کا علاج کراؤ۔" وہ چلی گئی۔

ارے آپ لوگ حیران کیوں ہو رہے ہیں؟ نہیں نہیں اپنا دل خوش کرنے کے لیے میں نے رضیہ کا نام خزینہ نہیں رکھ دیا تھا۔ بلکہ میری شادی خزینہ سے ہی ہوئی تھی۔ رضیہ سے مایوس ہونے کے بعد جب میں پلٹا تھا تو اپنی پشت پہ امی کو دم بخود کھڑے پایا۔ انہوں نے اپنی ہونے والی من پسند بہو کے ناپاک عزائم اس کی ناپاک زبان سے خود سنے تھے۔ رضیہ کے ہاتھوں کے توتے اڑ گئے مگر ساتھ ہی ساتھ امی کا اسے بہو بنانے کا ارمان بھی بھاپ بن کے اڑ گیا۔ انہوں نے اسی دن وہ منگنی توڑ ڈالی اور اگلے دن عثمان کی امی کو لے کر خزینہ کے گھر رشتہ مانگنے پنڈی چلی گئیں۔

چٹ منگنی پٹ بیاہ اور، اور وہی برے نصیب تھے میرے کہ ایک بدمزاج، بدزبان عورت ہی لکھی تھی چاہے وہ رضیہ جیسی کھلم کھلا گند اگلنے والی ہو یا خزینہ جیسی بظاہر نفیس اور سلجھی ہوئی لڑکی جو دنیا کے سامنے خود پہ شائستگی کے پردے ڈالے رکھتی ہے مگر تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود جو اندر سے رضیہ سے بھی گئی گزری ہے۔

ہائے ہم تو بے خبری میں لٹ گئے، ٹھگے گئے.....

"اب اندر لیٹے لیٹے پچھلوں کو روتے رہو گے یا گوشت بھی لاؤ گے۔ سبزی تو ہضم نہیں ہوتی لاٹ صاحب کی اولادوں کو۔"

"آیا جی۔"

میں چپل پہن کے باہر بھاگا۔